

ترجمان القرآن

میں جمال فطرت کا مطالعہ

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نور اور حسن ہے۔ اس نے اپنے نور و حسن کے اظہار کے لیے خوبصورت کائنات بنائی اور اس کے تعارف کے لیے قرآن کی شکل میں خوبصورت تحفہ ہدایت بھیجا۔ پھر انسانوں کو بتا دی کہ وہ ایک طرف جمال کائنات کا مشاہدہ کریں، دوسری طرف قرآن کا مطالعہ کریں اور اس کے منطقی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ یعنی آثار کو دیکھیں اور مؤثر تک پہنچیں، مصنوعات کو دیکھیں اور صانع کی عظمت کا اعتراف کریں، تخلیق کو دیکھیں اور خالق کی رفعتوں کا اندازہ لگائیں اور مشاہدہ فطرت کے اس سفر میں قرآن کو اپنا رہنما اور قائد بنائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کو اپنی طاقت کے بل پر نہیں منواتا، بلکہ اپنی تخلیق اور صناعتی کے حوالہ سے اپنی خلافت کا کلمہ پڑھواتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء - ۱۹۵۸ء) نے قرآن کریم کی ترجمانی کرتے ہوئے ان تمام مقامات کا نہایت باریکی، شگفتگی اور والہانہ انداز سے مطالعہ کیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے جمال فطرت، حسن کائنات اور کرشمہ تخلیق کا اظہار یا اشارہ کیا ہے۔ پھر ان سارے بیانات کو اس خوبصورت انداز سے باہم مربوط کیا ہے کہ پورا قرآن فطرت کا حسین گلہستہ نظر آنے لگتا ہے۔ جہاں جمال فطرت کا اجالی ذکر ہے وہاں مولانا آزاد کا قلم اس کی تفصیل اس طرح بیان کرتا ہے جیسے شبنم کے قطرے کلی کا منہ کھول کر اسے پھول بنا دیتے ہیں اور جہاں جہاں قرآن میں حسن فطرت کے مظاہر کی تفصیل اور اس کے مطالعہ کی دعوت ہے ان مقامات کو مولانا آزاد ایک مصور کی آنکھ سے دیکھتے اور شاعر کی زبان سے بیان کرتے ہیں۔ ایسے مقامات پر مولانا آزاد کا رہو ا قلم اپنی جولانیاں دکھاتا اور قاری کو مسحور کر لیتا ہے۔

مولانا آزاد کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف قرآن کے مقاماتِ جمال کو مجذب و کیف کے ساتھ لکھا ہے، بلکہ وہ مذاہب کے ماننے والوں اور حکما و فلاسفہ کے یہاں اس حسن کے مظاہر کو دیکھنے، سمجھنے اور ان کے اطلاق کی تعین میں بولنغزش ہوئی ہیں ان کو بھی درست کرتے چلے جاتے ہیں اور حسنِ فطرت بے نقاب و بے غبار ہو کر قاری کے سامنے آ جاتا ہے۔

اردو تفسیروں کے ذخیرہ میں شاید ہی کوئی ایسی تفسیر ہو جس میں قرآن کے جالیاتی مطالعہ پر اتنی توجہ دی گئی ہو جتنی کہ ترجمان القرآن میں نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب قاری ان مقامات کو پڑھتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کائنات کی پوری دکشی، خوبصورتی اور رعنائی قرآنی آیات کے آئینہ میں جھلک رہی ہے اور وہ ایک خوبصورت ترین منظر نامہ میں اپنے خدا سے ہم کلام ہے اور اس کا دل بار بار پکارتا ہے قَتَبْنَا لَكَ اللَّهُمَّ احْسَنُ التَّعْلِيْقَيْنِ بقول علامہ اقبال:

حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حسن دل انسان کو ترا حسن کلام آئینہ

ترجمان القرآن کے یہ مقامات روحِ قرآن اور حسنِ قدرت کا عاشقانہ اظہار بھی ہیں اور اردو زبان و ادب کا شاہکار بھی۔ جب فکر کی پاکیزگی فن کی خوبصورتی میں ڈھلتی ہے تو ادبِ عالیہ نمود پاتا ہے اور اس کی زندہ مثال مولانا آزاد کے یہ مباحث ہیں جو قرآنی جالیات کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ مولانا آزاد نے جمالِ فطرت کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے۔

”فطرت کے افادہ و فیضان کی سب سے بڑی بخشائش اس کا عالمگیر حسن و جمال ہے۔

فطرت صرف بناتی اور سنوارتی ہی نہیں، بلکہ اس طرح بناتی اور سنوارتی ہے کہ اس کے ہر بناؤ میں حسن و زیبائش کا جلوہ اور اس کے ہر ظہور میں نظر افزائی کی نمود پیدا ہو گئی ہے۔ کائناتِ ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت میں دیکھو یا اس کے ایک ایک گوشہ خلقت پر نظر ڈالو اس کا کوئی رخ نہیں جس پر حسن و رعنائی نے ایک نقابِ زیبائش نہ ڈال دی ہو سارے نظام اور ان کی سیر و گردش، سورج کی روشنی اور اس کی بولقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضا، آسمانی کی وسعت اور اس کی نیل رنگیاں، بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع، نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن

کی رعنائیاں، پھولوں کی عطر بنری اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا چہرہ خنداں اور شام کا جلوہ محبوب غرض یہ کہ تمام تماشا گاہ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افزوی کی جلوہ گاہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس پردہ ہستی کے پیچھے حسن افزوی و جلوہ آرائی کی کوئی قوت کام کر رہی ہے جو جاتی ہے کہ جو کچھ بھی ظہور میں آئے حسن و زیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے اور کارخانہ ہستی کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے بہشتِ راحت و سکون بن جائے۔

دراصل کائنات ہستی کا مایہ خیر ہی حسن و زیبائی ہے۔ فطرت نے جس طرح اس کے بناؤ کے لیے مادی عناصر پیدا کیے، اسی طرح اس کی خوب روئی اور رعنائی کے لیے معنوی عناصر کا بھی رنگ و روغن آراستہ کر دیا ہے۔ روشنی، رنگ، خوشبو اور نغمہ حسن و رعنائی کے وہ اجزاء ہیں جن سے مشاطہ فطرت چہرہ وجود کی آرائش کر رہی ہے۔

مشاطہ راگو کہ بر اسبابِ حسنِ بار

چیزے فرو کند کہ تماشا بمار رسد

مولانا آزاد سورہ حجر کی آیت نمبر ۱۷: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا

بِالنُّجُومِ لِنُبَيِّنَ لِكَافِرِينَ كَيْفَ يُكَفَّرُ عَنْهُمْ

”یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جہاں قرآن نے جلالِ فطرت

سے استدلال کیا ہے، یعنی اس بات سے استدلال کیا ہے کہ کائناتِ ہستی

کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا

ہوئی ہے اور یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رحمت و فیضان کا کوئی ارادہ

یہاں ضرور کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے حسن و خوبی کے ساتھ بنے اور

اس میں روحوں کے لیے سرور اور نگاہوں کے لیے عیش و نشاط ہو۔

اگر ایک صاحبِ رحمتِ ہستی کی یہ کار فرمائی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے؟

نہیں تمہاری فطرت کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کی کار گیری ہے

جو حسن و جمال ہے اور جس نے چاہا ہے کہ حسن و جمال کا فیضان ہو۔

یہاں فرمایا کہ آسمان کو دیکھو: عربی میں ”سما“ کے معنی بلندی کے ہیں۔

مکان کے لیے اس کی چھت اس کی ”سما“ ہوتی ہے۔ پس یہ جو بندی تمہیں نظر آ رہی ہے کس طرح دیکھنے والوں کے لیے حسین و جمیل بنا دی گئی ہے! چاندنی راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو، اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو، صبح جب اپنی ساری دلفریبیوں کے ساتھ آتی ہے، شام جب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ چھپتی ہے، گرمیوں میں صفا و شفاف آسمان کا نکھرنا، بارش میں بادلوں کا ہر طرف سے امنڈنا، شفق کی لالہ گونی، قوسِ قزح کی بولبولی، سورج کی ذرہ فشانی، غرض کہ آسمان کا کون سا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لیے زینت نہیں؟ جس میں دلوں کے لیے راحت و سکون نہیں؟

مولانا آزاد نے آیتِ جمال کی ترجمانی کرتے وقت دوسری مماثل آیات کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور ان تمام آیات کے تناظر میں جن فطرت کی جو دلکش تصویر ابھرتی ہے اس کی ایک جھلک دکھا کر یہ احساس دلایا ہے کہ قدرت کی کرشمہ سازیاں انسان کے لیے تسکینِ ذوقِ جمال، درسِ عبرت اور روحانی سعادت کے لیے بیش قیمت سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

”اسی طرح ان مقامات کا مطالعہ کرو جہاں خصوصیت کے ساتھ جمالِ فطرت سے استدلال کیا ہے۔

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهُا مِنْ قُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضِ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رِجًا وَزَيَّنَّاهَا ۝ وَمِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيمٍ ۝ تَبَصَّرُوا ۝ وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝ (ق: ۶-۸)

(کیا کبھی ان لوگوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا نہیں کہ کس طرح ہم نے اسے بنایا ہے اور کس طرح اس کے منظر میں خوشنوائی پیدا کر دی ہے اور پھر یہ کہ کہیں بھی اس میں شکاف نہیں اور اسی طرح زمین کو دیکھو؟ کس طرح ہم نے اسے فرش کی طرح پھیلا یا اور پہاڑوں کے ٹکڑوں کے ٹکڑوں کی خوبصورت نباتات اگا دیں، پھر اس

بندے کے لیے جنت کی طرف جبراً کرنے والا ہے اس میں غور کرنے کی بات اور نصیحت کی روشنی ہے (۱۶) اور دیکھو! ہم نے آسمان سے ستاروں کی گردش کے لیے برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے ان میں خوشنمائی پیدا کر دی (۱۷) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظَرِ (الحج: ۱۶) اور دیکھو! ہم نے دنیا کے آسمان (یعنی کرۂ ارضی کی فضا) کو ستاروں کی قندیلوں سے خوش منظر بنا دیا (۱۸) وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَعُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (النمل: ۶) اور دیکھو! تمہارے لیے چارپایوں کے منظر میں جب شام کے وقت چراگاہ سے واپس لاتے ہو اور جب صبح لے جاتے ہو، ایک طرح کا حسن اور نظر افزائی ہے (۱۹)

مولانا آزاد اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حسنِ فطرت کے مظاہر کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو یہی نہیں بلکہ اس کی قدر کرو، قدرت کے اس خوبصورت عطیہ پر شکر بجالاؤ، نعمتیں فراوانی اور آسانی کے ساتھ تم کو دی گئی ہیں تو ان کی غفلت کے احساس سے غفلت نہ رہو۔ اگر یہ تم سے چھین لی جائیں تو تمہاری زندگی تاریک راہوں میں بھٹک کر رہ جائے گی اور تم خود اپنی زندگی سے بے زار ہو جاؤ گے۔

اس ضمن میں مولانا آزاد نے سورہ لقمان کی حسب ذیل آیت سے استنباد کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلٰیكُمْ نِعْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَّمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنبِئٍ ۝

کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب تمہارے لیے خدا نے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی پوری کر دی ہیں۔ انسانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا ہدایت ہو یا کوئی کتاب روشن۔

(لقمان: ۲۰)

مولانا آزاد فیضانِ قدرت کی شکر گزاری کا احساس دلانے کے لیے مختلف جغرافیائی اور کائناتی مظاہر کو پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

”انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کم زوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا، اس کی قدر و قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا، تم گڑگا کے کنارے بستے ہو، اس لیے تمہارے نزدیک زندگی کی سب سے زیادہ بے قدر چیز پانی ہے۔ لیکن اگر یہی پانی چوبیس گھنٹے تک میسر نہ آئے تو تمہیں معلوم ہو جائے اس کی قدر و قیمت کا کیا حال ہے۔ یہی حال فطرت کے فیضانِ جمال کا بھی ہے، اس کے عام اور بے پردہ جلوے شب و روز تمہاری نگاہوں کے سامنے سے گذرتے رہتے ہیں، اس لیے تمہیں ان کی قدر و قیمت محسوس نہیں ہوتی۔ صبح اپنی ساری جلوہ آرائیوں کے ساتھ روز آتی ہے۔ اس لیے تم بستر سے سراٹھلنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ چاندنی اپنی ساری حن افزائی کے ساتھ ہمیشہ نکھرتی رہتی ہے، اس لیے تم کھڑکیاں بند کر کے سو جاتے ہو، لیکن جب یہی شب و روز کے جلوہ ہائے فطرت تمہاری نظروں سے روپوش ہو جاتے ہیں یا تم ان کے نظارے و سماع کی استعداد باقی نہیں رہتی تو غور کرو اس وقت تمہارے احساسات کا کیا حال ہوتا ہے؟ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر چیز زندگی کی ایک بے بہا برکت اور معیشت کی ایک عظیم نشانِ نعمت تھی؟ سرد ملکوں کے باشندوں سے پوچھو جہاں سال کا بڑا حصہ ابر آلود گزرتا ہے، کیا سورج کی کرنوں سے بڑھ کر بھی زندگی کی کوئی مسرت ہو سکتی ہے؟ ایک بیمار سے پوچھو جو نقل و حرکت سے محروم بسترِ مرض پر پڑا ہے وہ تہائے گاکر آسمان کی صاف اور نیلگوں فضا کا ایک نظارہ راحت و سکون کی کتنی بڑی دولت ہے۔ ایک اندھا جو کہ پیدائشی اندھا نہ تھا، تمہیں بتا سکتا ہے کہ سورج کی روشنی اور باغ و بہار دیکھ بغیر زندگی بسر کرنا کیسی ناقابلِ برداشت مصیبت ہے۔

ترجمان القرآن میں جلالِ فطرت

زندگی کی مصنوعی مسرتوں اور خود ساختہ سامانِ نیش پر انسان جان دیتا ہے۔ وہ دولت کے انبار اور جاہ و اقتدار میں مسرت تلاش کرتا ہے۔ وہ قدرت کے فطری عطیات سے صرف نظر کر لیتا ہے۔ مولانا آزاد نے سکون و مسرت کے حقیقی سرچشمہ اور عمومی فیضان سے فیض یاب ہونے پر زور دیتے ہوئے کہا ہے :

”جس دنیا میں سورج ہر روز چمکتا ہو، جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی اور شام ہر روز پردہٴ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزین اور جس کی چاندنی حسنِ افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہو جس کی بہار سبزہٴ گل سے لدی ہوئی اور جس کی فصلیں پہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گراں بار ہوں، جس دنیا میں روشنی اپنی چمک، رنگ اپنی بوقلمونی، خوشبو اپنی عطر بنی اور موسیقی اپنا نغمہ و آہنگ رکھتی ہو، کیا اس دنیا کا کوئی باشندہ آسائشِ حیات سے محروم اور نعمتِ معیشت سے مفلس ہو سکتا ہے؟ کیا کسی آنکھ کے لیے جو دیکھ سکتی ہو اور کسی دماغ کے لیے جو محسوس کر سکتا ہو، ایک ایسی دنیا میں نامرادی و بد بختی کا گلہ جائز ہے؟ قرآن نے جا بجا انسان کو اس کے اسی کفرانِ نعمت پر توجہ دلائی ہے۔ وَالْأَنْفُكُم مِّنْ كُلِّ مَآسَا لَتَمُوْا۟ ۖ وَإِنْ لَّعَدُوُّ الْإِنْعَمَتِ اللّٰهِ لَا تُصَوِّفُهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُلْمٌ كَفَّارٌ“ (ابراہیم: ۳۴) اور اس نے ہمیں وہ تمام چیزیں دیدیں جو ہمیں مطلوب تھیں اور اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی شمار نہیں کر سکو گے بلاشبہ انسان بڑا ہی نا انصاف بڑا ہی ناشکر ہے۔

ان عبارتوں میں سلاست و روانی، حسنِ بیان اور بلاغت کے علاوہ حسنِ مدعا کو قاری کے ذہن میں اتار دینے کی جو زبردست قوت ہے وہ اپنی آپ مثال ہے، انسان کو خوابِ غفلت سے جگانے اور حسنِ فطرت کا احساس اور اعتراف کرنے اور اس سے اپنی زندگی کو باغ و بہار بنانے کی زبردست دعوت موجود ہے۔ مولانا آزاد نے ایک دوسری جگہ اس کی مزید وضاحت اس طرح کی ہے :

لے ایضاً

”ایک لمحہ کے لیے تصور کر کر دنیا موجود ہے، مگر حسن و زیبائی کے تمام جلووں اور احساسات سے خالی ہے۔ آسان ہے مگر فضا کی یہ نگاہ پروری نہیں ہے۔ ستارے ہیں مگر ان کی درخشندگی و جہاں تابی کی یہ جلوہ آرائی نہیں ہے، درخت ہیں مگر بغیر سبزی کے، پھول ہیں مگر بغیر رنگ و بو کے، اشیاء کا اعتدال اجسام کا تناسب، صداؤں کا ترنم و روشنی و رنگ کی بوقلمونی ان میں سے کوئی چیز بھی وجود نہیں رکھتی، یا یوں کہا جائے کہ ہم میں ان کا احساس نہیں ہے۔ غور کرو! ایک ایسی دنیا کے ساتھ زندگی کا تصور کیسا بھیانک اور ہولناک منظر پیش کرتا ہے؟ ایسی زندگی جس میں نہ تو حسن کا احساس ہو نہ حسن کی جلوہ آرائی، نہ نگاہ کے لیے سرور ہو نہ سامعہ کے لیے حلاوت، نہ جذبات کی دقت ہو نہ محسوسات کی لطافت، یقیناً عذاب جاں کی ہی ایسی حالت ہوتی جس کا تصور بھی ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔

لیکن جس قدرت نے ہمیں زندگی دی، اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت، یعنی حسن و زیبائی کی بخشش سے بھی مالا مال کر دے، اس نے ایک ہاتھ سے ہمیں حسن کا احساس دیا، دوسرے ہاتھ سے تمام دنیا کو جلوہ حسن بنا دیا۔

مناظر قدرت اور مظاہر فطرت میں بوقلمونی، نیرنگی اور اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ سب حسن کائنات کی توسیع و تنوع اور تکمیل کے لیے ہے۔ قرآن میں جا بجا اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس حکمت اختلاف کی اس طرح توجیہ کی ہے:

”انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ یکسانی سے اکتاتی ہے اور تبدیلی و تنوع میں خوشگوار کی کیفیت محسوس کرتی ہے، پس اگر کائنات ہستی میں محض یکسانی و یک رنگی ہی ہوتی تو یہ دلچسپی اور خوش گواری پیدا نہ ہو سکتی جو اس کے ہر گوشہ میں ہمیں نظر آ رہی ہے، اوقات کا اختلاف، موتوں کا اختلاف، خشکی و تری کا اختلاف، مناظر طبیعت اور اشیاء خلقت کا

اختلاف جہاں بے شمار مصلحتیں اور فوائد رکھتا ہے وہاں ایک بڑی مصلحت دنیا کی زیب و زینت اور معیشت کی تسکین و راحت بھی ہے۔^۱ لکھناے رنگ رنگ سے ہے زینتِ جن اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب افلاک مولانا آزاد نے مظاہر فطرت کے اختلاف کو ایک دوسرے پہلو سے حسن قدرت کا حصہ بتایا ہے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ بلبل و قمری کی نغمہ سنجیوں کے ساتھ زارغ و زغن کا شور و غوغا کیوں ہے؟ پھر انھوں نے اس کا جواب موسیقی کے زیرو بم اور اتار چڑھاؤ سے دیا ہے جن سے ہلکے سربھی نکلتے ہیں اور موٹی اور بلند صدائیں بھی، پھر ان تمام سروں کے ملنے سے موسیقی کی حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

”یہی حال موسیقی فطرت کے زیرو بم کا ہے۔ ہتھیں کوٹے کی کانٹیں اور چیل کی چخ میں کوئی دگشی محسوس نہیں ہوتی، لیکن موسیقی فطرت کی تالیف کے لیے جس طرح قمری و بلبل کا ہلکا سا ضروری تھا، اسی طرح زارغ و زغن کا بھاری اور کرخت سربھی ناگزیر تھا، بلبل و قمری کو اس سرگم کا اتار بھو اور زارغ و زغن کو چڑھاؤ۔

بر اہل ذوق در فیض نمی بندد نوائے بلبل اگر نیست صوت زارغ و غنو
تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ دَوَانِ مِنْ
شَيْءٍ إِلَّا لِيُسَبِّحَ بِحَمْدِكَ وَلَئِنْ لَفَقَهُ هَوْنٌ تَسْبِيحَهُمْ
إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۴۳) ^۲

مولانا آزاد جب جمال فطرت کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو کائنات کے ظاہری حسن و جمال کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں، کیوں کہ روح اگر مجروح یا مفقود ہو تو جسم کی خوبصورتی بے معنی ہے۔ وہ اہل نظر کو جمال کے باطنی پہلو کی طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”پھر فطرت کی بخشش جمال کے اس گوشہ پر بھی نظر ڈالو۔ اس نے جس طرح جسم و صورت کو حسن و زیبائی بخشی، اسی طرح اس کی معنویت کو

بھی جہاں منوی سے آراستہ کر دیا جسم و صورت کا جہاں یہ ہے کہ ہر وجود کے ذیل دُور
اور اعضاء و جوارح میں تناسب ہے معنویت کا جہاں یہ ہے کہ ہر چیز کی کیفیت
اور باطنی قویٰ میں اعتدال ہے، اسی کیفیت کے اعتدال سے خواص اور
فوائد پیدا ہوئے ہیں اور یہی اعتدال ہے جس نے حیوانات میں ادراک و
حواس کی قوتیں بیدار کر دیں، اور پھر انسان کے درجہ میں پیونج کر جو ہر عقل و
فکر کا چراغ روشن کر دیا۔^۱

علامہ اقبال کے یہاں یہ نکتہ کسی قدر وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:
ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں غافل تو نہ صاحبِ ادراک نہیں ہے
غبارِ راہ کو بخشنا گیا ہے ذوقِ جہاں خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے؟
ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ہو دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی،

مولانا آزاد نے یہاں ایک خالص فلسفیانہ مسئلہ سے تعرض کیا ہے کہ مادی
عناصر کی ترکیب و امتزاج سے ماورائے مادہ جو ہر کس طرح وجود میں آیا؟ یعنی حیوان
میں احساس و ادراک اور انسان میں عقل و فکر کا چراغ کس طرح روشن ہوا؟ اس کے
جواب میں مولانا آزاد نے چیونٹی اور شہد کی مکھی کی مثال سے قدرت کی کرشمہ سازی کا
تعارف کرایا ہے کہ کس طرح سوئی کے برابر داغ رکھنے والے حقیر ذرے میں احساس
و ادراک، محنت و استقلال، ترتیب و تناسب، نظم و ضبط اور صنعت و اختراع کی
ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں اور بطور نتیجہ لکھا ہے:

”قرآن کہتا ہے: یہ اس لیے ہے کہ رحمت کا مقتضا جہاں تھا اور ضروری

تھا کہ جس طرح اس نے جہاںِ صوری سے دنیا آراستہ کر دی ہے اسی

طرح جہاںِ معنوی کی بخشائشوں سے بھی اسے مالا مال کر دیتی ہے ذلک

عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ

شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ (السجدہ: ۷۶)

قرآن میں جہاںِ فطرت کا بیان مختلف اسالیب میں ہوا ہے اور بار بار ہوا ہے

ترجمان القرآن میں جال فطرت
اور اس کی تعبیر میں بھی مختلف الفاظ اور اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ کہیں حسن کا لفظ استعمال ہوا ہے کہیں جال کا، کہیں زینت کا، کہیں موزوں کا، کہیں تسوئہ کا، کہیں عدل کا کہیں اتفاق کا، اور کہیں تشبیہ و استعارہ کے پیرایہ میں گفتگو کی گئی ہے۔ مولانا آزاد نے ان اصطلاحوں کو ایک خاص ڈھنگ اور منطقی ترتیب سے پیش کیا جس سے قرآن میں مختلف مقامات پر استعمال شدہ یہ اصطلاحیں تسبیح کے دانوں کی طرح باہم مربوط نظر آتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”جس چیز کو ہم جال کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ موزونیت اور تناسب۔ یہی موزونیت اور تناسب ہے جو بناؤ اور خوبی کے تمام مظاہر کی اصل ہے۔ وَأَكْبَتْكَ فَيْهْمًا مِنْ كُلِّ سَخَىٰ بِمَوْزُونٍ الْحَجْر: ۱۹ (ہم نے زمین میں ہر چیز موزونیت اور تناسب رکھنے والی اگائی) اسی معنی میں قرآن تسوئہ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ تسوئہ کے معنی ہیں کسی چیز کو اسی طرح ٹھیک ٹھیک درست کر دینا کہ اس کی ہر بات خوبی و مناسبت کے ساتھ ہو، الَّذِي خَلَقَ فُتُوٰى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ الْاٰمِل: ۳ (وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی، پھر ٹھیک ٹھیک خوبی و مناسبت کے ساتھ درست کر دی اور وہ جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرایا، پھر اس پر زندگی کی راہ کھول دی) الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ الْاِنْفِطَار: ۷ (وہ پروردگار جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا، پھر اعتدال و تناسب ملحوظ رکھا، پھر جیسی صورت بنائی جیسی اسی کے مطابق ترتیب دے دی)

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے ’اتقان‘ سے بھی تعبیر کیا ہے یعنی کائنات ہستی کی ہر چیز کا درستگی و استواری کے ساتھ ہونا کہ کہیں بھی اس میں خلل نقصان، بے ڈھنگاپن، اونچ نیچ، نامہواری نظر نہیں آسکتی صُغِعَ اللّٰهُ الَّذِي اَلْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ الْاٰمِل: ۸۸ (یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز درستگی و استواری کے ساتھ بنائی) ۱۷

قدرت نے ہر چیز کو موزونیت اور توازن کے ساتھ بنایا ہے۔ یہی کائنات کے توازن اور حسن کا راز ہے، پرندوں کو دیکھئے اور ریڑ پو دوں کو دیکھئے، ان میں موزونیت کی ایسی حسین مثالیں موجود ہیں کہ دل اللہ کی صنای پر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ چند پھول تو ایسے ہیں جیسے پھول سو نگھی کہ جب تک ایک لمبی چوڑی چوڑی یا ان کو چھوئے نہیں تو وہ کھلتے ہی نہیں۔ ایسی جڑیوں کی چوڑی کی بناوٹ اور پھول کے لبوں کی بندش دونوں ایک دوسرے سے موزونیت کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ قدرت کے خزانے میں ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سورۃ الحجۃ کی تفسیر میں اس نکتہ کو اس طرح ابھارا ہے:

”زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لیے حکمتِ الہی نے ایک خاص اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، اپنی کمیت، اپنی کیفیت میں ایک مچھلی کی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جاسکتی ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی ایسی آگ آئے جو گھاس کے مقررہ انداز سے اور تناسب کے خلاف ہو۔ طرح طرح کے نعلے طرح طرح کے پھول، طرح طرح پھل، طرح طرح کی سبزیاں، طرح طرح کے درخت طرح طرح کی گھاسیں ہر طرف اگ رہی ہیں اور نہیں معلوم کب سے آگ رہی ہیں۔ لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل، ڈیل ڈول، رنگ، خوش بو، مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ انداز سے پر نہ ہو اور ٹھیک ٹھیک کائنات کی تول نہ ہو، گیہوں کا ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑ لو، گھاس کی ایک تپی سامنے رکھ لو اور دیکھو ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی ہیں اور کس دقیقہ سخی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ اگر حجم ہے تو اس کا ایک مقررہ انداز ہے۔ لاکھ مرتبہ بوؤ، کروڑ مرتبہ بوؤ، اس انداز سے

۱۔ حیوانات اور نباتات، قدرت کی کرمہ سازیوں کا سائنٹفک جائزہ پروفیسر حافظ شائق احمد رحیمی نے اپنی تازہ حسب ذیل کتاب میں لیا ہے: Importance of Wild Life Conservation from Islamic perspective (New Delhi 2003)

میں فرق آنے والا نہیں۔ اگر شکل ہے تو اس کا ایک خاص اندازہ ہے۔ وہ چیز جب اگے گی اسی شکل میں اگے گی۔ اگر رنگت ہے، خوش بو ہے، مزہ ہے خاصہ ہے تو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے اور یہ اندازہ قطعی ہے۔ دائمی ہے، اٹل ہے، امٹ ہے اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ظہور میں آتا ہے گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتے، ایک ایک پھول کو تول تول کر بانٹ رہا ہے۔ ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے۔

دنیا کے بعض مذاہب نے روحانیت کے نام پر ترک دنیا کی تبلیغ کی ہے اور رہبانیت اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ بودھ اور مزدک کے مذاہب میں رہبانیت کا عنصر موجود ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں ایک غالب عنصر کی حیثیت میں بھرا ہے۔ مولانا آزاد رہبانیت کو اصلاً جمالِ روحانیت کی ضد سمجھتے ہیں ان کے نزدیک رہبانیت ”زینت اللہ“ کا انکار ہے، ان کے استدلال میں بڑا وزن ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا استعمال روحانی سعادت کے خلاف نہیں، بلکہ ان کا غلط استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔

سورہ اعراف کی آیت نمبر ۳۲ جس میں عبادت کے وقت زینت اختیار کرنے کا حکم ہے، اس کی تفسیر میں لکھا ہے :

”پیروانِ مذاہب کی عالم گیر گراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے روحانی سعادت جبھی مل سکتی ہے کہ دنیا ترک کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقصد یہ ہے کہ زینتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے: حقیقت اس کے عین برعکس ہے، تم سمجھتے ہو زندگی کی زینتیں اس لیے ہیں کہ ترک کر دی جائیں، حالانکہ وہ اس لیے ہیں کہ کام میں لائی جائیں، دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھیک طور پر کام میں لانا مشیتِ الہی کو پورا کرتا ہے۔ خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے ہی لیے پیدا کیا ہے“

کھاؤ پو، زینت و آسائش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر حد سے نہ گزر جاؤ، دنیا نہیں دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔ زندگی کی جن زینتوں کو پیروان مذاہب خدا پرستی کے خلاف سمجھتے تھے انھیں قرآن "زینت اللہ" یعنی خدا کی زینتوں سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے جس نے انسان کی دینی زینت کی بنیادیں الٹ دیں، وہ دنیا جو نجات و سعادت کی طلب میں دنیا ترک کر رہی تھی اب اسی نجات و سعادت کو دنیا کی تفسیر و ترقی میں ڈھونڈھنے لگی۔ تمام تشکیں کی طرح مولانا آزاد نے بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کو جمالِ کائنات کے مصادر کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اس کے اطلاقی پہلو کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ ہر جہ دیدم درجہاں جز توئے نیست یا توئی یا بولے تو یا خوئے تو مولانا روم نے تو خاص طور پر حسنِ کائنات کو حسنِ قدرت کا انعکاس قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

خلق راجوں آب داں آب زلال اندر آں تاباں صفاتِ ذوالجلال
مولانا آزاد نے بھی ترجمان القرآن میں صفاتِ الہی کی تفسیر میں اس کے اطلاقی حسن کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور جمالِ کائنات کو صفاتِ الہی کے ظہور کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں!

"قرآن نے خدا کی صفاتوں کا جو تصور ہم میں پیدا کرنا چاہا ہے وہ سراسر حسن و خوبی کا تصور ہے چنانچہ وہ خدا کی تمام صفاتوں کو "حسنی" قرار دیتا ہے۔ یعنی خوبی و جمال کی نعمتیں، یہ یقین کیا میں؟ قرآن نے جابجا بیان کی ہیں اور شمار کی گئیں تو ۹۹ نکلیں۔ ان تمام صفاتوں کے معانی پر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کا تصور کس درجہ بلند اور کامل ہے۔ صرف ان صفات کے معانی پر تدبر کر کے ہم کائناتِ ہستی کے بے شمار اسرار و دقائق کی معرفت حاصل کر لے سکتے ہیں کیوں کہ یہاں جو کچھ ہے انہی صفات

کا ظہور ہے بلکہ

اس ضمن میں مولانا آزاد نے یہودیت، عیسائیت اور بدھ مت میں پاٹے جانے والے تصوراتِ صفاتِ الہی کی نارسائیوں کا بھی محاسبہ کیا ہے اور قرآن کی مکمل تعبیرِ حسن کو اجاگر کرتے ہوئے کہا ہے!

”نزولِ قرآن کے وقت یہودی تصور میں قبر و غضب کا عنصر غالب تھا، مجوسی تصور نے نور و ظلمت کی دو مساویانہ قوتیں الگ الگ بنائی تھیں، مسیحی تصور نے رحم و محبت پر زور دیا تھا۔ لیکن جزا کی حقیقت مستور ہو گئی تھی۔ اسی طرح پیروانِ بدھ نے بھی صرف رحم و محبت پر زور دیا، عدالت نمایاں نہیں ہوئی۔ گویا جہاں تک رحمت و جمال کا تعلق ہے یا تو قبر و غضب کا عنصر غالب تھا، یا مساوی تھا یا پھر رحمت و محبت آئی تھی تو اس طرح آئی تھی کہ عدالت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔

لیکن قرآن نے ایک طرف رحمت و جمال کا ایک ایسا کامل تصویر پیدا کیا کہ قبر و غضب کے لیے کوئی جگہ ہی نہ رہی، دوسری طرف جزائے عمل کا سرشتہ بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا، کیوں کہ جزا کا اعتقاد قبر و غضب کی بنا پر نہیں، بلکہ عدالت کی بنا پر قائم کر دیا۔ چنانچہ صفاتِ الہی کے بارے میں اس کا عام اعلان یہ ہے! قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيُّمَا مَن دَعَا فَلَهُ الْكُفْمَا ءُ الْحُسْنٰی ج۔ بنی اسرائیل: ۱۱۰ (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو تم خدا کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو، جس صفت سے پکارو اس کی ساری صفیں حسن و خوبی کی صفیں ہیں) صلہ

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جمالِ کائنات اسرارِ حسنی یا صفاتِ الہی کا انعکاس ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر قہاری و جبّاری کی صفات کو کس طرح عکسِ جمال ثابت کیا جائے گا۔ مولانا آزاد نے اس سوال کا بھی مناسب جواب دیا ہے:

”(اللہ کی صفات) میں ایسی صفیں بھی ہیں جو بظاہر قبر و جمال کی صفیں ہیں

مثلاً جبار و قہار لیکن قرآن کہتا ہے وہ اسما حسنی ہیں، کیوں کہ ان میں قدرت و عدالت کا ظہور ہوا ہے اور قدرت و عدالت صن و خوبی ہے خوں خواری و خوف ناک نہیں ہے چنانچہ سورہ حشر میں صفات رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر متصلًا ان سب کو ”اسما حسنی“ قرار دیا ہے۔
 هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرَکُّوْنَ
 هُوَ اللّٰهُ الْخَاقِ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ اَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (الحشر: ۲۳-۲۴)
 (وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ الملک ہے، القدوس ہے، السلام ہے، المؤمن ہے، المہین ہے، العزیز الجبار ہے، المتکبر ہے اور اس سب سے پاک ہے جو لوگوں نے اس کی معبودیت میں بنا رکھے ہیں۔ وہ الخالق ہے، الباری ہے، المصور ہے۔ غرض کہ اس کے لیے حسن و خوبی کی صفیں ہیں، آسمان و زمین میں صنی بھی مخلوقات ہیں اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہیں اور بلاشبہ وہ ہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ توانائی بھی رکھنے والا ہے۔ ج

مسلم فلاسفہ اور متکلمین کے یہاں اللہ کی صفت جمال کے ساتھ ساتھ صفت جلال کا موضوع یکساں دلچسپی اور توجہ کا حامل رہا ہے ان دونوں صفات کو تعبیر و تکمیل کے لیے لازمی خوبیوں کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے اس نکتہ کی وضاحت اس طرح کی ہے:

نہو جلال تو حسنِ جمال بے تاثیر	نہ انفس ہے اگر نغمہ ہونہ آتش ناک
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت	یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
بے تجلی نیست آدم را ثبات	جلوہ افرد و ملت را حیات
ہر دو از توحید می گیرد کمال	زندگی این را جمال آں را جلال
اللہ کی صفاتِ کاملہ کے ذریعہ کائنات کی تخلیق، تعمیر اور تحسین و تزئین ہوتی	

ہے خصوصیت کے ساتھ اللہ کی تین صفات: ربوبیت، رحمت اور عدالت جمالِ فطرت کا سرچشمہ ہیں مولانا آزاد نے ان تینوں صفات کی اس طرح تشریح کی ہے اور مظاہرِ فطرت پران کا انطباق اس طرح کیا ہے کہ انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ قدرت کی مہربانیاں ہر آن کائنات پر سایہِ فلک ہیں اور ہر لمحہ اس کے امنڈتے فیضان کو انسان اپنی برہنہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

”جس طرح کارخانہ خلقت اپنے وجود و بقا کے لیے ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے اسی طرح عدالت کا بھی محتاج ہے۔ یہی تین معنوی عنصر ہیں جن سے خلقت ہستی کا قوام ظہور میں آیا ہے۔ ربوبیت پرورش کرتی ہے، رحمت افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے اور عدالت سے بناؤ اور خوبی ظہور میں آتی ہے اور نقصان و فساد کا ازالہ ہوتا ہے۔ بلکہ ربوبیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ربوبیت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں سود مند اشیاء کی موجودگی کے ساتھ ان کی بخشش و تقسیم کا بھی ایک نظام موجود ہے، اور فطرت صرف بخشی ہی نہیں، بلکہ جو کچھ بخشی ہے ایک مقررہ انتظام اور ایک منضبط ترتیب و مناسبت کے ساتھ بخشی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جس جس چیز کی ضرورت تھی اور جس وقت اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی، ٹھیک ٹھیک اسی طرح انہی وقتوں میں اور اسی مقدار میں اسے مل رہی ہے اور اس نظم و انضباط سے تمام کارخانہ حیات چل رہا ہے“۔
فضل و رحمت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”برہانِ ربوبیت کی طرح برہانِ فضل و رحمت بھی اس کی دعوت و ارشاد کا ایک عام اسلوبِ خطاب ہے۔ وہ کہتا ہے: کائنات خلقت کی ہر شے میں ایک مقررہ نظام کے ساتھ رحمت و فضل کے مظاہر کا وجود

ہونا قدرتی طور پر انسان کو یقین دلادیتا ہے کہ ایک رحمت رکھنے والی ہستی کی کار فرمائیاں یہاں کام کر رہی ہیں، کیوں کہ ممکن نہیں فضل و رحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو اور فضل و رحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو چنانچہ وہ تمام مقامات جن میں کائنات خلقت کے افادہ و فیضانِ زینت و جمال، موزونیت و اعتدال، تنویر و اقوام اور تکمیل و اتقان کا ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں: **وَاللّٰهُمَّ اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ**۔ البقرہ: ۱۶۳ (اور دیکھو تمبارا مبود وہی ایک مبود ہے کوئی مبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات، رحمت والی اور اپنی رحمت کی بخشائشوں سے ہمیشہ فیض یاب کرنے والی ﷻ)

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

”انسانی علم و نظر کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں کہ یہاں تعمیر کے ساتھ تھمین کیوں ہے؟ مگر قرآن کہتا ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ خالق کائنات ”الرحمن“ اور ”الرحیم“ ہے، یعنی اس میں رحمت ہے اور اس کی رحمت اپنا فائدہ و فعل بھی رکھتی ہے۔ رحمت کا مقصد فی ہی تھا کہ بخشش ہو، فیضان ہو، حدود احسان ہو، پس اس نے ایک طرف تو ہمیں زندگی اور زندگی کے تمام احسان و عواطف بخش دئے، جو خوشمائی اور بدنامی میں امتیاز کرتے اور خوبی و جمال سے کیفیت و سرور حاصل کرتے ہیں، دوسری طرف کار کاہِ ہستی کو اپنی حسن آرائیوں اور جلالِ فزائیوں سے اس طرح آراستہ کر دیا کہ اس کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے جنت، سامعہ کے لیے حلاوت اور روح کے لیے سرمایہ کیف و سرور بن گیا **اَللّٰهُ اَحْسَنُ الْوٰثِقِيْنَ** (المومن: ۱۴) (پس کیا ہی بابرکت ذات اللہ کی، بنانے والوں میں سب سے زیادہ حسن و خوبی کے ساتھ بنانے والا ﷻ)

صفتِ عدالت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تم نے ابھی ربوبیت اور رحمت کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے، اگر ایک قدم آگے بڑھو، اسی طرح عدالت کا مقام بھی نمودار ہو جائے، تم دیکھو گے کہ اس کا رخائے ہستی میں بناؤ، سلجھاؤ، خوبی اور جلال میں سے جو کچھ بھی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عدل و توازن کی حقیقت کا ظہور ہے۔ ایجاب و تمیز کو تم اس کی بے شمار شکلوں میں دیکھتے ہو اور اس لیے بے شمار ناموں سے پکارتے ہو، لیکن اگر حقیقت کا سراغ لگاؤ تو دیکھ لو کہ ایجاب و حقیقت یہاں صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے عدل و اعتدال ”عدل“ کے معنی ہیں برابر ہونا، زیادہ نہ ہونا، اسی لیے معاملات اور قضایا میں فیصلہ کر دینے کو عدالت کہتے ہیں کہ حاکم دو فریقوں کی باہم دیگر زیادتیاں دد کر دیتا ہے، ترازو کی تول کو بھی موازنہ کہتے ہیں، کیوں کہ وہ دونوں پاٹوں کا وزن برابر کر دیتا ہے۔ یہی عدالت جب اشیاء میں نمودار ہوتی ہے تو ان کی کمیت اور کیفیت میں تناسب پیدا کر دیتی ہے۔ ایک جز کا دوسرے جز سے کمیت یا کیفیت میں مناسب و موزوں ہونا عدالت ہے۔

اب غور کرو! کارخانہ ہستی میں بناؤ اور خوبی کے جس قدر مظاہر ہیں کس طرح اسی حقیقت سے ظہور میں آئے ہیں۔ وجود کیا ہے؟ حکیم بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے، اگر اس اعتدالی حالت میں ذرا بھی فتور واقع ہو جائے، وجود کی نمود معدوم ہو جائے۔ جسم کیا ہے؟ جہانی مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت ہے، اگر اس کا کوئی ایک جز بھی غیر معتدل ہو جائے، جسم کی ہیئت ترکیبی بگڑ جائے، صحت و تندرستی کیا ہے؟ اخلاط کا اعتدال ہے، جہاں اس کا قوام بگڑا، صحت میں انحراف ہو گیا۔ حسن و جمال کیا ہے؟ تناسب و اعتدال کی ایک کیفیت ہے۔ اگر انسان میں ہے تو خوبصورت انسان ہے، نباتات میں ہے تو پھول ہے عمارت میں ہے تو تاج محل ہے۔ نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سروں کی ترکیب کا تناسب و اعتدال۔ اگر ایک سر بھی بے میل ہوا، نغمہ کی کیفیت جاتی رہی۔

مولانا آزاد نے کائنات کے حسن و جمال سے قیامت پر استدلال کیا ہے اور یہی وہ استدلال ہے جن کو مفسرین آفاق و انفس کا نام دیتے ہیں۔ خدا کی جو رحمت دنیا کو چمن زار بناتی ہے وہ اپنا فیضان آخرت تک پھیلاتی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”اگر رحمت کا مقتضی یہ ہوا کہ دنیا میں اس خوبی و کمال کے ساتھ زندگی کا ظہور ہو تو کیوں کر یہ بات باور کی جاسکتی ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد اس کا فیضان ختم ہو جائے اور خزانہ رحمت میں انسان کی زندگی اور بناؤ کے لیے کچھ باقی نہ رہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا ذَرِيرًا
فِيهِ فَا بِي الظَّالِمُونَ الْكَافُرُونَ ۚ قُلْ كُونُوا كُمْلُونَ
خَرَائِفَ رَحْمَةٍ رَبِّ إِذَا لَا مَسْكُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ
(بنی اسرائیل: ۹۹-۱۰۰)

(کیا ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے ہیں یقیناً اس بات پر عاجز نہیں ہو سکتا کہ ان جیسے (آدمی دوبارہ) پیدا کر دے، اور یہ کہ ان کے لیے اس نے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہے۔ جس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں؟ (افسوس ان کی شقاوت پر) اس پر بھی ان ظالموں نے اپنے لیے کوئی راہ پسند نہ کی، مگر حقیقت سے انکار کرنے کی (اسے بغیر ان سے) کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو اس حالت میں یقیناً تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک رکھتے (لیکن) یہ اللہ ہے جس کے خزانے رحمت، نہ کبھی ختم ہو سکتے ہیں نہ اس کی بخشش رحمت کی کوئی انتہا ہے۔) ح سلہ

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں حیات و کائنات اور قیام کاربطن فطرت سے قائم کیا ہے اور قرآن کریم کو حسن فطرت کے شاہکار اور آئینہ دار کی حیثیت سے پیش کیا ہے، قدرتِ کاملہ کی کاریگری اور صفتِ گری کے جلوہ حسن کا تعارف کرایا ہے اور سعید روحوں کو آواز دی ہے کہ آؤ حسن قدرت سے عشق کرو اور اس کے پیچھے کارفرما ہستی کے آگے جبیں نیاز جھکا دو۔

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی کی اردو مطبوعات

کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ محرک اسلام و جاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	۲۱۶	۲۵/-
۲۔ غیر ملکی تعلقاتِ داران کے حقوق	مولانا سید جلال الدین عمری	۳۳۲	۱۰۰/-
۳۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	"	۳۸۸	۱۷۵/-
۴۔ مسلمان عورت کے حقوقِ داران پر اعتراضات کا جائزہ	"	۲۰۰	۶۰/-
۵۔ اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	"	۱۷۶	۴۰/-
۶۔ اسلام اور مشکلاتِ حیات	"	۸۸	۸/-
۷۔ مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰/-
۸۔ مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام	"	۱۰۲	۲۰/-
۹۔ وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	"	۱۹۲	۴۰/-
۱۰۔ آزادیِ فکر و نظر اور اسلام	"		۴۰/-
۱۱۔ قرآن اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رفیع الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰/-
۱۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	"	۲۰۰	۴۰/-

:- ملنے کے پتے :-

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ۔ ۱۔
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ دعوتِ نگر۔ ابوالفضل انکلیو۔ نئی دہلی۔ ۲۵